جناب رحمت فرخ آبادی ایم۔اے

مقدمۂ بغاوت کراچی اور مولانا محمد علی جوہر

بیسویں صدی کا ابتدائی چوتھائی عرصہ وہ ہے، جب سامراجی ممالک اپنی نوآبادیوں پر سیاسی اور معاشی تسلط رکھتے تھے۔ یہ سامراج کے انتہائی عروج یا زوال کی ابتدا کا دور ہے۔ سامراج کے مختلف گروہوں کو اپنی تجارتی منڈیوں کے تحفظ کے لیے ایک طویل اور تباہ کن جنگ لڑنی پڑی۔ یہ جنگ جو آزادی، جمہوریت اور تہذیب کے نام پر لڑی گئی درحقیقت ایشیا میں پیغامِ بیداری کا باعث بنی۔

جنگِ عظیم کے لیے سپاہیوں کی ضرورت سامراج کی مجبوری تھی۔ نوآبادیوں میں سے جو لوگ فوج میں بھرتی ہو کر مختلف ممالک میں گئے، وہ اپنے ساتھ وہاں سے نئے خیالات بھی لائے۔ اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے جب سامراج نے آزادی اور جمہوریت کا نام لیا تو نوآبادیوں کے باشندے ان نعروں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور یہ نعرے ان کے لیے اپنے وطن میں آزادی کی جدوجہد کا باعث بنے۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں سے قبل مسلمانوں کی عظیم الشان حکومت قائم تھی اور انھوں نے اس زمین کو اپنا وطن بنا کر صدیوں اس کے تحفظ کی لڑائی لڑی اور حکومت کی، اور آخری دور میں تو مغل تاجداروں کو ایک تقدس کا مرتبہ بھی حاصل ہو گیا تھا اور یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ تختِ دہلی پر آلِ تیمور کے علاوہ کوئی اور بھی بیٹھ سکتا ہے، لیکن تاریخی تقاضے اس سے مختلف تھے۔ برصغیر کا سیاسی انتشار، یورپی اقوام کی تجارت میں برتری اور یہاں کی مقامی سیاست میں مسلسل دخل اندازی آخرکار انگریزی حکومت کے قیام کا باعث بنی۔ لیکن برطانوی اقتدار کے خلاف آغاز ہی سے مسلمانوں میں جتنی تحریکیں چلیں وہ سب مذہب کے نام پر لڑی گئیں۔ تحریکِ مجاہدین اسلامی نشوونما کے نام پر لڑی گئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا بڑا فوری سبب سور کی چربی والے کارتوس تھے اور اس کے بعد منظرِ عام پر کوئی سیاسی تحریک نہیں ابھری۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں میں مایوسی پیدا کر دی تھی اور بعض دور اندیش رہنماؤں نے سیاست میں عدم مداخلت اور انگریزی حکومت سے تعاون کی راہ

کو مسلمانوں کے لیے مناسب خیال کیا۔ ان افکار و خیالات کی قیادت سرسید احمد خاں اور نواب محسن الملک نے کی۔ اس مکتبِ فکر نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب دورِ شاہی ختم ہوا اور یہ کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد ملک میں جمہوری حکومت قائم ہوگی جو اکثریت کے نام پر ہندو حکومت کا روپ دھار لے گی۔ اس اکثریت کی جمہوری حکومت سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ غیر ملکی حکومت سے تعاون کیا جائے۔ اس مکتبِ فکر نے علمی، ادبی اور تہذیبی دوائر میں نہایت نمایاں خدمات انجام دیں، اور اسی تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں میں ملازمتوں کا مقابلہ اور شوق اور جدید علوم کے حصول کا ذوق پیدا ہوا۔ دوسری طرف یہ امر بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ مختلف انقلابی تنظیمیں بڑے پیمانے پر ملک میں کام کرتی رہیں۔ یہ تنظیمیں انتہائی خفیہ اور جانثاری کے کارناموں سے مسلح ہوتی تھیں۔ عام طور پر ان تمام تحریکوں میں برصغیر کی تمام قوموں کے نمائندے جن میں مسلمان بھی شامل تھے، شریک ہوتے تھے۔ آخری خفیہ تحریک جو قوت اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے اپنی تمام خفیہ تحریکوں سے زیادہ مضبوط تھی وہ تحریک ریشمی رومال ہے جس کی قیادت مسلمان علما کر رہے تھے اور جس کے روابط نہ صرف تمام عالمِ اسلام کے سربراہوں سے تھے بلکہ روس کے انقلابیوں سے بھی ان کا رابطہ تھا۔ گویا تحریک ریشمی رومال برصغیر میں عالمی انقلابی تحریک کا ایک حصہ تھی جو وقت سے پہلے راز افشا ہونے کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ اس کے بعد تمام دنیا میں انقلابی تحریکوں کو خفیہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور آزادی اور جمہوریت کے نام پر اب تمام تحریکیں سیاسی میدان ہی میں چلنا شروع ہوئیں۔

جنگِ عظیم اوّل میں اہلِ ہندوستان عمومی طور پر اور مسلمان خصوصی طور پر اس وعدے پر شریک ہوئے تھے کہ خلیفۂ ترکی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور مسلمانوں کے مقدس مقامات محفوظ رہیں گے۔ یہ ضمانت اس لیے ضروری تھی کہ عام مسلمان یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خلیفۂ ترکی جس کا نام جمعہ کے خطبے میں لیا جاتا تھا، اس کے خلاف انگریز لڑیں۔ انگریز مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے واقف تھا اس لیے اس نے ترکی اور جرمنی کے اتحاد کے باوجود یہ باور کرا دیا کہ انگریز کی جنگ ترکوں سے ہے خلیفۂ اسلام سے نہیں۔ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی انگریزوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ وہ وعدوں کو وفا نہ کر سکیں گے چنانچہ رولٹ ایکٹ جیسے کالے قوانین بنائے گئے تاکہ جنگ کے بعد چلنے والی تحریکوں سے آسانی کے ساتھ نپٹا جا سکے۔ رولٹ ایکٹ دراصل تحریک ریشمی رومال کو ختم کرنے کے لیے بنایا گیا تھا،

اس تحریک میں چونکہ برصغیر کے تمام برسرآوردہ افراد شریک تھے، اس لیے اس بل کی شدت کو ہر علاقے میں محسوس کیا گیا، جس کے خلاف تحریک اور مظاہروں کے نتیجے میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا جس نے برصغیر میں آگ لگادی اور اب آزادی اور جمہوریت کے نعرے ہر طرف گونجنے لگے۔ مسجد کان پور کے واقعہ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ انگریزی حکومت کے نزدیک مسجد اور اس کا انہدام کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ گویا کہ ۱۹۲۰ء میں سامراج اپنے ظلم و ستم میں انتہا پر تھا اور برصغیر کا ماحول نئے خیالات، نئے نعروں اور آزادی اور جمہوریت سے گونج رہا تھا۔

جنگ عظیم اول کے خاتمے پر برصغیر کے مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ان سے کیے ہوئے وعدے پورے نہیں کیے جا رہے۔ نہ ہی خلافت کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور نہ ہی مقاماتِ مقدسہ بے حرمتی سے بچ سکے۔ نتیجے کے طور پر مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی۔ اس اضطراب کو آغاز ہی سے انگریز اور برصغیر کے قائدین نے محسوس کر لیا تھا۔ قائدین نے انتہائی کوشش کی کہ سامراج مسئلے کی اہمیت اور نزاکت کو سمجھے، اس کے لیے مختلف وفود نے برطانوی اربابِ اقتدار سے لندن جا کر ملاقاتیں کیں اور برطانوی رائے عامہ کو بھی متاثر کرنا چاہا لیکن انگریز اپنے تمام تدبر کے باوجود، اس مسئلے کو نہ سمجھ سکے اور ہندوستان میں پہلی عوامی تحریک، تحریکِ خلافت کے عنوان سے شروع ہو گئی۔ اس تحریک کا جوش و خروش، جذبۂ حریت، جرأت ایمانی اور جدوجہد کا نقشہ جو لوگوں نے دیکھا، ان کا بیان ہے کہ برصغیر میں دوبارہ ایسی ہمہ گیر تحریک پھر شروع نہ ہوئی۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، اس دور میں مختلف عوامل کے تحت آزادی اور جمہوریت کی تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ اگرچہ رولٹ ایکٹ کے خلاف گاندھی جی کی تحریک عدمِ تعاون شروع ہو گئی تھی۔ انگریزی تدبر کا تقاضا تھا کہ وہ دو محاذوں پر لڑنے کے بجائے کسی ایک سے صلح کر لیتا۔ لیکن یا تو اس کو اپنی قوت پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا اور یا وہ ان جذبات کی قوت کا اندازہ نہ کر سکا جو محکوم قوموں کے دل و دماغ میں پروان چڑھ رہے تھے۔

چنانچہ گاندھی جی کی عدم تعاون کی تحریک اور مولانا محمد علی جوہر کی تحریکِ خلافت کا ایک متحدہ محاذ بن گیا جس کا مشترکہ نصب العین انگریز دشمنی تھا۔ اس اتحاد نے ہندو مسلم اتحاد کی وہ صورت اختیار کی کہ ماضی قریب کے واقعات بھی نئی نسل کو افسانہ معلوم ہوتے ہیں۔ کون یقین کر سکتا ہے کہ ایک مختصر سے دور میں ہندو نے مسلمان کا جھوٹا پانی پیا اور مسلمان نے ہندو کی ارتھی کو کندھا دیا۔ بندے ماترم اور

اللہ اکبر کے نعرے مشترکہ طور پر لگتے اور مساجد کے منبر سے ہندو خطاب کرتے۔ یہ اتحاد اور جوش و خروش زیادہ عرصے تک قائم نہ رہا لیکن اپنے مستقل اثرات بھی چھوڑ گیا۔

اگرچہ گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر کی تحریکوں کا بظاہر مقصد انگریز دشمنی ہی معلوم ہوتا ہے لیکن ایک فرق بھی نمایاں ہے۔ گاندھی کے نزدیک عدم تعاون اور عدم تشدد ایک سیاسی ضرورت تھی جو سوراج کے حصول کے لیے لازم تھی جبکہ محمد علی جوہر کے نزدیک انگریزی حکومت سے عدم تعاون مذہبی فریضہ تھا اور مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا تھا۔ اس فرق نے آگے چل کر نتائج دکھائے۔ مثلاً گاندھی جی کی سیاست نے جب، مناسب خیال کیا تحریک بند کر دی یا بنارس یونیورسٹی کو عدم تعاون کی تحریک کا شکار نہ ہونے دیا، چونکہ سیاست میں انتہائی اصول پسندی کبھی نافذ نہیں ہوتی اور ایک سیاست دان کا سب سے بڑا فن اصولوں کا عملی نفاذ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مولانا محمد علی جوہر نے تحریک خلافت کو مذہبی روپ دیا۔ انگریز سے عدم تعاون کو شرعاً فرض قرار دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد علی علی گڑھ کو محفوظ نہ رکھ سکے اور نہ ہی تحریک کو اپنی مرضی سے ختم کرنے کی پوزیشن میں رہے کیونکہ مذہب کے اصول وقت اور جگہ سے تبدیل نہیں ہوتے۔

مولانا محمد علی جوہر کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ بوریا نشین علما کو مدرسہ اور خانقاہ سے نکال کر سیاست میں لے آئے۔ اس کے ابعد منفی اور مثبت اثرات سے بحث کیے بغیر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر تحریک خلافت کی حمایت میں علما کا مشہور فتویٰ نہ ہوتا تو مسلمان اس جوش و خروش سے حصہ نہ لیتے۔ محمد علی جوہر علما سے یہ فتویٰ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ انگریزی حکومت سے تعاون، اس کی فوجی یا سول ملازمت میں شامل ہونا، عدالتوں میں انصاف کے لیے رجوع کرنا، تعلیمی اداروں میں پڑھنا یا پڑھانا سب حرام ہے۔ علما کے سیاسی اثرات کا ثبوت یہ ہے کہ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی مسلمانوں نے انگریز سے عدم تعاون کی راہ اختیار کر لی۔ اس فتویٰ کو ایک قرارداد کی صورت میں کراچی کی آل انڈیا خلافت کانفرنس میں پیش کیا گیا اور اس کی پورے ملک میں اشاعت کی گئی۔ اس کانفرنس کے نتیجے میں مشہور مقدمہ بغاوت کراچی چلا، جس میں مندرجہ ذیل افراد پر فرد جرم عاید کی گئی۔

۱۔ مولانا محمد علی جوہر ۲۔ مولانا حسین احمد مدنی ۳۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو
۴۔ پیر غلام مجدد سرہندی ۵۔ مولوی نثار احمد کانپوری ۶۔ شری شنکر اچاریہ ۷۔ مولانا شوکت علی۔

لیکن یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے انگریزی حکومت نے علی برادران پر سندھ میں مقدمہ بغاوت قائم کیا۔ ہمیں اس بات کو اس تاریخی پس منظر میں دیکھنا ہوگا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے باضابطہ طور پر شمالی ہندوستان میں اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے ۱۸۴۳ء میں سندھ پر اپنے قبضہ اقتدار کو ضروری سمجھا اور اس طرح انھیں ایک اہم فوجی مرکز حاصل ہوگیا جس سے انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ جس عرصے میں آزادی کی یہ جنگ لڑی جارہی تھی اس دوران کراچی کی بندرگاہ میں اسلحہ سے لد کر آنے والے بحری جہازوں کی تعداد مجموعی طور پر برصغیر کی تمام بندرگاہوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ پھر یہ کہ انگریز یہ بھی سمجھتے تھے کہ سندھ میں مسلمان اسلامی تہذیب و روایات کے سب سے زیادہ امین ہیں، اور وہ دینِ اسلام اور خلافت کے نام پر اپنا تن، من اور دھن سب کچھ قربان کردیں گے۔ اسی طرح یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہی وہ علاقہ ہے جو تحریک مجاہدین کا بھی ایک اہم مرکز تھا اور تحریک ریشمی رومال میں بھی جس نے ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۹۲۰ء سے تحریکِ خلافت کی وجہ سے یہاں کے شہری عوام کے سیاسی شعور میں بھی ایک نمایاں ترقی ہوئی تھی۔

چنانچہ اہلِ سندھ نے تحریکِ خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ سندھ میں تحریک خلافت کے رہنماؤں میں مولوی محمد صادق، شیخ محمد ابراہیم، مولوی عبداللہ لغاری، پیر تراب علی شاہ، پیر انور علی، رئیس جان محمد جونیجو، پیر رشد اللہ شاہ جھنڈے والے، سر عبداللہ ہارون، شیخ عبدالمجید سندھی، حاجی ایم سید، سید حاجی عبدالحکیم ٹکھڑائی اور ان کے بھائی حاجی اسداللہ شاہ، سید حاجی علی اصغر شاہ، سید حاجی غلام شاہ اور سید محمد حاجی حافظ شاہ، مولانا تاج محمد امروٹی، مولانا دین محمد وفائی، ڈاکٹر عبدالمجید صدیقی، حکیم فتح محمد سیوہانی، مخدوم محمد معین الدین خباروی، خلیفہ میاں نبی محمد، شیخ عبدالعزیز، حکیم شمس الدین۔ ڈاکٹر نور محمد، رئیس میاں غلام محمد بھرگڑی، بیگم نصرت عبداللہ ہارون، مولانا عبدالکریم چشتی۔ نعمت اللہ قریشی، ڈاکٹر محمد یامین، ابوشوکت حمزو، حکیم عبدالحق، میاں محبوب علی شاہ، محمد امین کھوسو، قاضی فضل اللہ، مولوی محمد معاذ، قاضی فیض محمد صدیقی، مولوی محمد سلیمان، مولوی عبدالحق ربانی، محمد ہاشم مخلص، سید حاجی محمد شاہ جاموٹ، عبدالجبار وکیل، ڈاکٹر حاجی قاسم خواجہ، سیٹھ طیب علی علوی، قاضی عبدالرحمٰن نے بھرپور حصہ لیا۔

اسی طرح تحریکِ ترکِ موالات میں بھی اہلِ سندھ نے مقدور بھر حصہ لیا اور اس سلسلے میں علمائے کرام نے جو ایک فتویٰ شائع کیا تھا، جس پر فرنگی محل اور دوسرے مقامات کے پانچ سو علما کے دستخط تھے، اس فتویٰ پر سندھی علما کے بھی دستخط تھے۔ تحریک ترک موالات اور عدم تعاون کے تحت جن لوگوں نے اپنے خطابات اور اعزازات ترک کیے اور ملازمت کو چھوڑا، ان میں ایک بڑی تعداد اہلِ سندھ کی تھی۔ اسی طرح تحریک ترک موالات کی اپیل پر جن لوگوں نے تعلیم ترک کی، ان میں تین نام قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے بعد میں یہاں کی سیاست پر اپنے اثرات مرتب کیے، ان میں میر اللہ بخش تالپور، پیر الٰہی بخش اور قاضی فضل اللہ شامل ہیں۔

اور اسی طرح تحریکِ ہجرت کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی پہلی اسپیشل ٹرین سندھ سے روانہ ہوئی تھی اور اس قافلے کی قیادت یہاں کی مشہور سیاسی شخصیت بیرسٹر جان محمد جونیجو نے کی تھی۔ سندھ کے علی حسن گھانگھرو پہلے اور آخری شخص تھے جن پر تحریکِ ہجرت کے سلسلے میں باقاعدہ فوجداری مقدمہ چلا اور نتیجے کے طور پر علی حسن گھانگھرو کو باعزت طور پر بری کیا گیا۔ درحقیقت تحریکِ ہجرت کو کامیاب بنانے میں سب سے زیادہ حصہ اہلِ سندھ نے لیا تھا اور انھیں اس تحریک میں بہت زیادہ جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔

تحریکِ خلافت اور اس کی ذیلی تحریکوں یعنی تحریکِ ترکِ موالات اور تحریک ہجرت کے ایک غائر مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس زمانے کے مسلمان رہنماؤں میں سندھ کے سیاسی مدبر بھی اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ ان عوامل ہی کے پیشِ نظر اس وقت کے انگریز حکمران موقع کی تلاش میں تھے کہ ایک تیر سے دو شکار کھیلیں اور انھیں یہ موقع آل انڈیا خلافت کانفرنس کراچی منعقدہ جولائی ۱۹۲۱ء نے فراہم کیا۔

آل انڈیا خلافت کانفرنس کراچی ۸، ۹، اور ۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء کو منعقد ہوئی، اس کی صدارت مولانا محمد علی جوہر نے کی تھی۔ خطبہ استقبالیہ مولانا محمد صادق نے پیش کیا۔ اس کانفرنس کے آخری اجلاس میں تیرہ قراردادیں منظور کی گئیں [۱۵] جو یہ ہیں:

---

۱۵ Indian Khilafat Movement. By K.K. Aziz. Karachi-1972, Page 183-84

۱۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا یہ اجلاس سلطان ترکی کی مسلمان آبادی سے اپنی وفاداری کا اعلان کرتا ہے اور انھیں یقین دلاتا ہے کہ جب تک خلافت کا مطالبہ پورے طور پر حاصل نہیں ہو جاتا وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

۲۔ یہ اجلاس جناب جان محمد کی وفات پر جنھوں نے تحریکِ ہجرت کی قیادت کی تھی، انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کے لواحقین سے دلی ہمدردی رکھتا ہے۔

۳۔ یہ اجلاس سندھ کے ان تمام کارکنوں کو جو اپنے مذہب کی خاطر قید و بند کی مشقتیں جھیل رہے ہیں، مبارک باد دیتا ہے اور امید کرتا ہے کہ انھیں اپنے مقصد میں جلد کامیابی ہوگی۔

۴۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ جب تک ہندوستانی مسلمانوں کا مطالبہ برائے خلافت پورا نہیں ہوتا جو کہ ان کے مذہبی عقائد پر مبنی ہے اور جب تک جزیرۃ العرب اور تمام اماکن مقدسہ کے تقدس کو قائم نہیں کیا جاتا وہ چین سے نہ بیٹھیں گے اور ان مقامات کو کسی بھی حالت میں دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں نہ چھوڑیں گے اور یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ تھریس اور سمرنا کے مکمل صوبے سلطنتِ عثمانیہ کے جزو لاینفک ہیں جیسے کہ وہ جنگ سے پہلے تھے۔ مسلمان ان کے کسی بھی حصے پر یونان یا کسی دوسری طاقت کا اقتدار، اثر و رسوخ یا مداخلت برداشت نہیں کریں گے۔ مسلمان اتحادی طاقتوں کی وہ تمام شرائط و پابندیاں جو انھوں نے ترکِ حکومت، یا فوج، بحریہ اور ہوائی افواج پر لگائی ہیں یا وہ تمام شرائط جو مالی، اقتصادی اور عدلیہ کے نظام پر لگائی ہیں، تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ یہ تمام شرائط خلافتِ عثمانیہ کی آزادی اور سلطان کی حکمرانی کے اندر ناجائز مداخلت ہیں۔ یہ کانفرنس تمام مقامی کمیٹیوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اسی قسم کے اعلان کا اعادہ کریں تاکہ یہ مذہبی ذمہ داری پوری ہو سکے۔

۵۔ میسوپوٹامیہ کا علاقہ ایسی سرزمین ہے جہاں رسولِ اکرم کے اقارب اور بہت سے صوفیا اور بزرگ مدفون ہیں اور پھر یہ کہ سرزمین جزیرۃ العرب کا خاص حصہ ہے، لہٰذا کسی غیر مسلم کا داخلہ، رہائش یا اثر و رسوخ اسلامی طاقتوں کی مرضی کے بغیر جائز نہیں اور نہ ہی دین اس کی اجازت دیتا ہے۔ اگر یہ علاقہ غیر مسلموں کے قبضے میں آجائے تو یہ شریعت کے خلاف ہوگا۔ مسلمانوں کو یہ یقین ہے کہ آرمینی لوگ ان مقاماتِ مقدسہ کی قربت سے فائدہ اٹھائیں گے اور اپنی اسلام دشمنی کا ضرور بھرپور مظاہرہ کریں گے لہٰذا

یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ ان تمام علاقوں سے غیر مذہب لوگوں کو نکال دیا جائے۔

۶۔ یہ کانفرنس مرکزی خلافت کانفرنس کو اجازت دیتی ہے کہ تمام مسلمان ملکوں میں اپنے سفیر اور کارکن بھیجے تاکہ وہ موجودہ حالات سے تمام مسلمانوں کو واقفیت دلائیں اور ساتھ ہی اسلامی اتحاد کو فروغ دیں۔

۷۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا یہ اجلاس غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور ان کی حکومت کو مبارک باد دیتا ہے کہ انھوں نے بڑی مصیبتیں اٹھا کر اسلام کا دفاع کیا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دشمنان اسلام کو ترکی کی سرزمین سے نکالنے میں مدد فرمائے۔ یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ آج سے کوئی مسلمان اگر انگریز کی فوج میں بھرتی ہوگا، مدد کرے گا یا ان کا ساتھ دے گا تو وہ غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ یہ بھی فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اگر حکومتِ برطانیہ بالواسطہ یا بلاواسطہ، کھلے بندوں یا خفیہ طور پر انقرہ کی حکومت سے لڑے گی تو ہندوستان کے تمام مسلمان ترک موالات کی تحریک شروع کر دیں گے اور انڈین نیشنل کانگریس کے آئندہ اجلاس میں جو احمد آباد میں ہونے والا ہے اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر دیں گے اور ہندوستانی جمہوریہ کا جھنڈا لہرا دیں گے۔

۸۔ خلافت کانفرنس کا یہ اجلاس تمام مقامی خلافت کمیٹیوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں شراب نوشی پر مکمل پابندی کے طریقے بتائیں اور ان تمام کارکنوں اور رضا کاروں کو مبارک باد دیتا ہے جہاں کہ شراب کے کاروبار میں کمی آگئی ہے اور سفارش کرتا ہے کہ وہ اپنے اپنے مقصد میں زیادہ تن دہی سے کام کریں۔

۹۔ یہ اجلاس تمام صوبائی، ضلعی اور دیہی کمیٹیوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ تقریباً ایک کروڑ افراد کو تحریکِ خلافت کا کارکن بنائیں اور چالیس لاکھ روپیہ سمرنا کے مصیبت زدہ لوگوں اور مہاجرین اور امدادی فنڈ کے لیے جمع کریں۔

۱۰۔ یہ کانفرنس سندھ کے تمام پیروں اور زمینداروں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ خلافت کے کام میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں جیسا کہ انھوں نے اب تک کیا ہے اور اپنے تمام مذہبی رہنماؤں کو اس طرف راغب کریں۔

۱۱۔ یہ کانفرنس سرحدی صوبے کی حکومت کی پرزور مذمت کرتی ہے کہ اس نے کوہاٹ، بنوں اور دیگر علاقوں میں ظلم و تشدد کا دور دورہ رکھا اور خلافت کے کارکنوں اور منتظمین کو جیل میں ڈالا اور جامعہ ملیہ

کے طلبا کو چندہ جمع کرنے سے روکا۔

۱۲۔ یہ کانفرنس لاہور کے سردار سردول سنگھ کویشر کو ان کے جذبۂ بہادری اور مصائب پر جو انھوں نے اپنے مذہب اور ملک کی خاطر خندہ پیشانی سے برداشت کیے مبارک باد دیتی ہے اور حکومت کی ان بے جا حرکتوں کی پُرزور مذمت کرتی ہے جن سے وہ سکھ برادری میں تفرقہ ڈالنا چاہتی ہے۔

۱۳۔ یہ کانفرنس تمام افراد سے اپیل کرتی ہے کہ چرخے کو اپنائیں اور کھدر پہنیں اور ملوں کا تیار کردہ کپڑا اغریبوں کے لیے رہنے دیں اور بیرونِ ملک کی تیار شدہ اشیا اور کپڑے سمرنا کے مصیبت زدہ لوگوں کے لیے روانہ کریں۔ یہ بھی درخواست کی جاتی ہے کہ تحریک ترکِ موالات کے اس نئے اقدام پر خوش اسلوبی سے عمل کیا جائے اور اس کے علاوہ خواتین سے بھی یہ درخواست ہے کہ وہ غیر ملکی کپڑے کا استعمال کریں۔ اس طرح قوم کی غربت کے اسباب کو ختم کریں۔

ساتویں قرارداد صدارت کی طرف سے ایک تقریر کے ساتھ پیش کی گئی جس میں مولانا محمد علی جوہر نے بتایا کہ اس تجویز کی اہمیت کیا ہے اور نصیحت کی گئی کہ جو لوگ اس کانفرنس میں شریک ہیں انھیں غور و فکر اور سنجیدگی کے ساتھ بغیر کسی جوش و خروش کے اسے منظور کرنا چاہیے اور اگر وہ منظور کر لیں تو اس کے کامیاب بنانے میں اور فوج والوں کو نوکری سے مستعفی کرنے میں انھیں اپنی ساری طاقت صرف کر دینا چاہیے [۲]

مولانا حسین احمد مدنی نے اصل قرارداد کو کانفرنس میں پیش کیا۔ ڈاکٹر کچلو اور مولانا نثار احمد کان پوری نے اس کی تائید کی۔ سوامی شنکراچاریہ اور پیر غلام مجدد سرہندی نے اس کے حق میں کانفرنس میں تقریریں کیں اور مولانا شوکت علی نے بعد میں مرکزی خلافت کمیٹی کا سکریٹری ہونے کی حیثیت سے کانفرنس کی قراردادوں کو طبع کرا کے ان کی اشاعت کی۔

اس طرح آل انڈیا خلافت کانفرنس ختم ہوگئی، لیکن گورنمنٹ تو علی برادران کے درپے آزار تھی، چنانچہ اس نے اس قرارداد کی بنیاد پر علی برادران اور اُن کے رفقا پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا۔ مولانا محمد علی جوہر گاندھی جی کے ہمراہ سیاسی دورے پر تھے کہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو انھیں والٹیر کے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا۔ چوبیس گھنٹے گرفتاری کی خبر کو حکومت نے دبائے رکھا۔ تمام ملک میں سیاسی تاروں کی ترسیل کا سلسلہ بند رہا۔ کئی روز

---

[۲] سیرت محمد علی۔ رئیس احمد جعفری، لاہور ۱۹۵۰ء، ص ۳۸۰

مولانا کو حوالات میں بند رکھا گیا۔ پھر ایک روز رہائی کا حکم سنا کر فوراً ہی گرفتار کر لیا گیا اور کراچی پہنچا دیا گیا۔[۵۳] لیکن علی برادران اور دیگر رفقائے کار کی گرفتاری کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پورے برصغیر میں پھیل گئی۔ چنانچہ گاندھی جی نے ترچناپلی سے مولانا جوہر کی کراچی کی تقریر کا اعادہ کیا اور اپیل کی کہ جلسوں میں خلافت کانفرنس کراچی کی قرارداد کو دہرایا جائے اور کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے ۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بمبئی سے اس سلسلے میں بیان دیا اور علی برادران کو اس پر مبارک باد دی کہ ان پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے اور یہ اعلان کیا کہ مقدمہ چلانے کا جو سبب بیان کیا گیا ہے وہ مذہبی آزادی میں مداخلت ہے۔[۵۴] اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد پنجاب کے دورے سے واپس جاتے ہوئے ہر بڑے شہر میں تقریر کرتے ہوئے کلکتہ جا رہے تھے کہ علی برادران کی گرفتاری کی خبر ملی۔ اس پر انھوں نے اپنی گرفتاری کے لیے یکے بعد دیگرے ایسے شجاعانہ بیانات دیے جس کی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس قرارداد کی بنا پر علی برادران گرفتار کیے گئے ہیں، وہ اسلام کا مانا ہوا مشہور و معروف مسئلہ ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کا اعلان کرے۔ وہ قرارداد میری ہی تیار کی ہوئی ہیں اور میری ہی صدارت میں سب سے پہلے انھیں کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں منظور کیا گیا تھا۔ اگر یہ جرم ہے تو گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا ارتکاب ہمیشہ جاری رہے گا۔[۵۵] اسی زمانے میں حکیم محمد اجمل خان نے علی برادران اور اُن کے رفقا کی گرفتاری پر بیان شائع کرایا۔ پھر خلافت کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک بیان میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ عدم تعاون کے پروگرام پر پوری طرح عمل کریں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ اور کھدر کے استعمال پر زور دیا۔[۵۶] اسی دوران جب آل انڈیا خلافت کمیٹی کا جلسہ بمبئی میں منعقد ہوا تو وہاں بھی چھبیس ہندو اور مسلمان لیڈروں نے اس فتویٰ کے مطابق ایک اعلان پر دستخط کر کے اسے شائع کر دیا اور گورنمنٹ کو چیلنج کیا کہ وہ ان سب لیڈروں کو بھی گرفتار کر لے۔ اعلان پر دستخط کرنے والوں میں صفِ اوّل کے تقریباً تمام لیڈر

---

۵۳ پاکستان ناگزیر تھا، سید حسن ریاض۔ کراچی ۱۹۷۰ء بار دوم، ص ۱۱۴

۵۴ ایضاً، ص ۱۱۴-۱۱۵

۵۵ ابوالکلام آزاد، عبداللہ بٹ، لاہور ۱۹۴۲ء، ص ۳۳-۳۴

۵۶ حیاتِ اجمل - قاضی عبدالغفار، علی گڑھ ۱۹۵۰ - ص ۲۵۰، ۲۵۱

شامل تھے۔ مثلاً گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خان، لالہ لاجپت رائے، موتی لال نہرو، مسز سروجنی نیڈو، عباس طیب جی، ولبھ بھائی پٹیل، پنڈت جواہر لال نہرو، سیٹھ جمنا داس بزاز، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا عبدالباری، راجندر پرشاد، مولانا حسرت موہانی، سیٹھ چھوٹانی وغیرہ۔ خلافت کمیٹی اور کانگریس کی تاریخ میں اور خصوصاً ہندو مسلم اتحاد کی تاریخ میں یہ دستاویز ایک بہت اہم دستاویز ہے اور ایک بہت بڑا چیلنج تھا جس کا حکومت کوئی جواب نہ دے سکی۔[۵۷]

اس سلسلے میں جی۔ ایم سید لکھتے ہیں کہ مولانا محمد علی کی خلافت کانفرنس کی تقریر نے ملک میں ایسا اثر کیا کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں ہزاروں کی تعداد میں جلسوں میں اسے دہرایا گیا۔[۵۸] اسی طرح دسمبر ۱۹۲۱ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس احمد آباد میں منعقد ہوئی جس کی صدارت حکیم محمد اجمل خاں نے کی۔ انھوں نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کو آنے والے امتحان کے لیے تیار کیا اور کہا کہ اس سے بھی زیادہ سخت وقت ہمارے سامنے آنے والا ہے، جس قدر بھی سختی ہو ہمیں اسی قدر زیادہ استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس جنگ کا نتیجہ یقیناً ملک کی فتح ہے۔[۵۹] لیکن علی برادران کی گرفتاری سے آل انڈیا مجلس خلافت کے اثرات عوام پر مزید بڑھے، چنانچہ حکومت نے ۱۹ دسمبر ۱۹۲۱ کو رضا کاروں کی بھرتی کو غیر قانونی قرار دیا، چنانچہ حسرت موہانی نے آل انڈیا مسلم لیگ کے چودھویں سالانہ اجلاس الہ آباد منعقدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو صدارتی خطبے میں فرمایا کہ حکومت کے اس اقدام کا مقصد صرف تحریک ترک موالات کی بنیادوں کی بیخ کنی کرنا تھا۔[۶۰]

(باقی آئندہ)

---

۵۷ حیاتِ اجمل - قاضی عبدالغفار - ص ۲۴۵ - ۲۴۶

۵۸ میری کہانی میری زبانی، جلد اول سندھی - جی، ایم، سید کراچی ۱۹۷۴ء، ص ۵۶

۵۹ حیاتِ اجمل - قاضی عبدالغفار - ص ۲۶۰

۶۰ Foundation of Pakistan Vol 1 editor by Sharifuddin - Pirzada Karachi - 1969 - P. 561